Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

TITLE OF THE PAPER

The Tradition of Folk Literature in the West: A Historical and Critical Study

مغرب میں لوک ادب کی روایت: ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ

AUTHOR(s)

Misbah Sajid
PhD Scholar, Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore

Dr Muhammad Haroon Qadir
Associate Professor, Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore

ABSTRACT

The tradition of folk literature in the West is a significant part of Western cultural and literary heritage, reflecting the collective beliefs, values, customs, and historical experiences of Western societies. Rooted in oral tradition, it includes myths, legends, fairy tales, folktales, fables, ballads, and proverbs that were later preserved in written form. This study examines the origin, development, major characteristics, and cultural significance of Western folk literature, with particular emphasis on its recurring themes such as heroism, morality, supernatural elements, and the struggle between good and evil. It also highlights the contributions of major folklorists in preserving these narratives and explores the lasting influence of folk literature on modern literature, art, and popular culture. The study concludes that Western folk literature remains a valuable source for understanding the cultural identity, historical consciousness, and literary traditions of Western societies.

KEY WORDS

Folklore, Culture, Literature, Tradition, Fables, Myths, legends, History

JOURNAL PROFILE

Noor-e-Tahqeeq is a quarterly, HEC "Y" Category research journal of Lahore Garrison University, publishing peer-reviewed studies in Urdu language and literature since 2017. It provides a credible platform for original research and contemporary criticism.

CONTACT

Dr Muhammad Haroon Qadir
Editor, Noor e Tahqeeq
Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore 0303-3330345

Email

lgunt@lgu.edu.pk

Website

https://ojs.lgu.edu.pk/nooretahqeeq

ISSUE DETAILS

Volume 10, No 02
April to June 2026
Page No: - 70-79

DOI

https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2026.100245

HISTORY OF THE PAPER

Received on: April 12, 2026
Accepted on: May 22, 2026
Published on: June 30, 2026

PUBLISHED BY

Department of Urdu,
Lahore Garrison University
DHA Phase 6, Sector C,
Avenue 4, Lahore

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

مغرب میں لوک ادب کی روایت: ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ

لوک ادب کے لیے انگریزی میں "Folklore" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔"Folk" کا مطلب ہے "عام لوگ" یا "عوام" اور"Lore" کا مطلب ہے "علم"، "حکمت" یا "دانش" اس طرح "Folklore" کا لفظی مطلب "عوامی علم" یا "لوک دانش" بنتا ہے۔ Folklore کی اصطلاح ۱۹۴۶ء میں ایک انگریز محقق ولیم جان تھامس نے پہلی بار استعمال کیا۔ اردو زبان میں "Folklore" کے لیے مختلف اصطلاحات استعمال کیے گئے، جیسے کہ "عوامی ادب"، "لوک ریت" اور "عوامی روایت" لیکن ان سب میں "لوک ادب" کی اصطلاح سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔ لفظ "لوک" دراصل سنسکرت زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی "عام لوگ" یا "عوام" کے ہیں، اور یہی عوامی انداز اس صنف کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ اس ادب کو عوامی ادب کہنے کے پیچھے بہت سارے عوامل کارفرما ہیں، جن میں سب سے اہم اس کا فطری پن اور عوام کی روزمرہ زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ یہ ادب کسی خاص طبقے، شاہی دربار یا کتابی قواعد کا مرہونِ منت نہیں ہوتا، بلکہ کھیتوں، کھلیانوں، چوپالوں اور گھر کے آنگنوں میں جنم لیتا ہے۔ اس میں شامل کہانیاں، گیت اور کہاوتیں کسی ایک فرد کے بجائے پورے معاشرے کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہیں، جو سینہ بہ سینہ اور زبانِ خلق کے ذریعے ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ عام انسان کے سادہ جذبات، اس کے سچے دکھ سکھ، اور اس کے مقامی ماحول کی عکاسی کرتا ہے، اسی لیے یہ عوام کے دلوں کے سب سے قریب رہتا ہے اور اسے "عوامی ادب" کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اس ضمن میں Dr.Ku.Priyamvada Dinesh Bhat یوں رقمطراز ہے:

> "Folklore is the generic name used to denote those traditional beliefs, superstitions, manners, customs and observance of ordinary people which have persisted from earlier into later periods and which, in fragmentary, modified or comparatively unchanged form, have continued to exist outside the accepted pattern of contemporary knowledge and religion, in some cases, down to modern times Folktales, traditional ballads, folksongs, and proverbs also come under this heading and by a recent extension of meaning certain aspects of material culture originally excluded by definition."(1)

اس تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوک ادب محض کہانیوں یا گیتوں تک محدود نہیں، بلکہ یہ کسی معاشرے کا وہ زندہ اور قدیم نچوڑ ہے جو رسمی تعلیم، کتابوں اور جدید مذہبی سانچوں سے ہٹ کر بھی سینہ بہ سینہ نسل در نسل چلا آرہا ہے۔ اصل میں یہ عام لوگوں کی سوچ، ان کے عقائد اور روزمرہ کی ان رسومات کا نام ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ اگرچہ تھوڑی بہت بدل گئیں، مگر اپنی اصل روح کے ساتھ آج بھی ہمارے درمیانی ماحول اور تہذیب کا اہم حصہ ہیں۔ لوک ادب کسی بھی زبان کا نہایت قیمتی سرمایہ ہوتا ہے جس سے زبان اپنی

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

روح کو برقرار رکھتی ہے اور دیر تک زندہ رہتی ہے جس زبان کا لوک ادب نہیں ہوتا وہ زبان دیر تک زندہ نہیں رہتی۔ Melahet Babayevaلوک ادب اور زبان کے تعلق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "language and folklore have a close relationship (McDowell, 2018), since although folklore is an important part of a society's culture, language is the fundamental tool for transmitting and preserving folklore. Language also plays an important role in the creation and development of folklore, since the words and expressions used in folklore can reflect the beliefs and values of a society and contribute to the formation of its cultural identity."(2)

اقتباس زبان اور لوک ادب (Folklore) کے باہمی تعلق کو برجستہ انداز میں اجاگر کرتا ہے۔ زبان صرف ابلاغ کا ذریعہ نہیں، بلکہ وہ بنیادی وسیلہ ہے جس میں کسی بھی قوم کا لوک ادب جیسے کہ کہانیاں، محاورے، لوک گیت اور اصطلاحات نسل در نسل محفوظ رہتا اور آگے منتقل ہوتا ہے۔ جب کوئی معاشرہ اپنے جذبات، عقائد اور اقدار کو الفاظ کا روپ دیتا ہے، تو اس سے نہ صرف لوک ادب جنم لیتا ہے بلکہ اس کی نوک پلک بھی سنورتی ہے۔ اس عمل میں استعمال ہونے والے مخصوص الفاظ اور روزمرہ کی تعبیرات اس قوم کے طرزِ فکر اور اخلاقی معیار کی ترجمانی کرتی ہیں، جو آگے چل کر ان کی الگ اور منفرد ثقافتی شناخت کو قائم کرنے اور مضبوط بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ مختصر یہ کہ، بغیر زبان کے لوک ادب کا وجود اور بقا ناممکن ہے اور بغیر لوک ادب کے زبان اپنی ثقافتی چاشنی سے محروم رہ جاتی ہے۔

زبان کی ابتدائی تشکیل گلی کوچوں اور دیہی علاقوں کی بستیوں میں بولی کے روپ میں ہوئی، اور اسی بولی کے بطن سے لوک کہانیوں، لوک گیتوں، کہاوتوں اور پند و نصائح کی صورت میں لوک ادب نے جنم لیا۔ لوک ادب محض تفریحِ طبع کا وسیلہ نہیں بلکہ یہ قوموں کے اجتماعی لاشعور، تاریخی سفر اور ثقافتی شناخت کا حیاتیاتی عکس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی ہم کسی قوم کی حقیقی روح اور اس کی بنیادی سوچ کو سمجھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں اس کے لوک ادب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ دیہات کے سادھوؤں، بزرگوں اور چوپالوں سے جنم لینے والے یہ قصے اور گیت دراصل کسی ایک انسان کی تخلیق نہیں ہوتے، بلکہ یہ نسل در نسل پورے معاشرے کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں۔ زبان کی شروعاتی بولیاں بھلے ہی وقت کے ساتھ بدل گئی ہوں، لیکن ان میں چھپی ہوئی دانش، خوشیاں اور دکھ درد آج بھی اتنے ہی تازہ محسوس ہوتے ہیں۔ یہ لوک روایت ہی ہے جو ہمیں اپنے ماضی سے جوڑے رکھتی ہے اور ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ ہماری جڑیں کتنی گہری اور ہماری ثقافت کتنی پائیدار ہے۔ ڈاکٹر طاہرہ پروین اس ضمن میں یوں رقمطراز ہے:

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

"لوک ادب میں زندگی کی حقیقت اس حد تک ملتی ہے کہ زندگی کی ساری حقیقتیں سامنے آجاتی ہیں۔ یا پھر یہ کہہ لیجئے کہ ایک طرح سے دیہات کے کلچر کا پورا معاشرہ سامنے موجود ہوتا ہے۔ دیہات کی زندگی کا پورا سرمایہ لوک ادب کا حصہ ہے۔"(۳)

یہ اقتباس اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ لوک ادب دراصل دیہی زندگی کا ایک ایسا بے لاگ اور شفاف آئینہ ہے جس میں دیہات کی تمام تر معاشرتی، ثقافتی اور معاشی حقیقتیں اپنی اصل شکل میں نظر آتی ہیں۔ چونکہ لوک ادب کسی بناوٹ یا مصنوعی پن سے پاک ہوتا ہے، اس لیے اس میں گاؤں کے لوگوں کی روزمرہ جدوجہد، ان کی رسوم ورواج، باہمی تعلقات اور جذباتی کیفیتیں پوری سچائی کے ساتھ محفوظ ہو جاتی ہیں۔ یوں لوک ادب محض چند کہانیوں یا گیتوں کا مجموعہ نہیں رہتا، بلکہ یہ دیہی تہذیب کا ایک ایسا کل اثاثہ بن جاتا ہے جو ہمیں وہاں کے پورے معاشرے اور اس کے رہن سہن سے براہِ راست روشناس کرواتا ہے۔ A Dictionary of English Folklore میں "لوک ادب" کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے:

> "The word . . . [is] the generic term under which the traditional Beliefs, Customs, Stories, Songs and Say ings current among backward peoples, or retained by the uncultured classes of more advanced peoples, are comprehended and included.... In short, it covers everything which makes part of the mental equipment of the folk as distinguished from their technical skill. It is not the form of the plough which excites the attention of the folklorist, but the rites practised by the ploughman when putting it into the soil . . .(4)

ان تمام تعریفوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوک ادب سے مراد کسی مخصوص جغرافیائی، لسانی یا تہذیبی گروہ کا وہ غیر تحریری، زبانی اور روایتی تخلیقی سرمایہ ہے جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہ کسی فردِ واحد کی سند یافتہ تحریر کے بجائے عوام الناس کے اجتماعی احساسات، تجربات، عقائد اور خوشی و غم کا بے ساختہ اظہار ہوتا ہے، جس کے اصل خالق کا نام تاریخ کے نہاں خانوں میں گمنام ہو چکا ہوتا ہے۔ زبانی روایت کے ذریعے منتقل ہونے کی وجہ سے لوک ادب جامد نہیں رہتا بلکہ اس میں ایک قسم کی تغیر پذیری پائی جاتی ہے۔ جب ایک کہانی یا گیت سینہ بہ سینہ ایک سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے تو راوی یا گلوکار کی یادداشت، مقامی ماحول اور تمدنی ضروریات کے مطابق اس میں معمولی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ جس کے باعث کہانی کا مرکزی خیال وہی رہتا ہے مگر اس کا خارجی روپ مقامی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ لوک ادب کا ایک اور بنیادی پہلو اس کا عروضی پابندیوں اور بیان و بلاغت کے تلازمات سے آزاد ہونا ہے۔ خواص کی شاعری علمِ

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

عروض، اوزان اور تقطیع کی سخت پابند ہوتی ہے، جبکہ لوک گیت، لوریاں، ٹپے اور ماہیے عوام کے فطری احساسِ موسیقی اور تال کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ ان میں وزن کا معیار صوتی ہم آہنگی ہوتی ہے، جو محنت مشقت کے دوران یا خوشی کے مواقع پر قدرتی طور پر وجود میں آتی ہے۔

مغرب میں لوک ادب کی تاریخ کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ موجودہ دور میں امریکہ اور یورپ کی بڑی یونیورسٹیوں میں اس موضوع پر انتہائی گہرائی سے تحقیقی کام انجام دیا جارہا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ عوام اور محققین کی دلچسپی اس میں بڑھتی جارہی ہے۔ اگرچہ لوک ادب کا بنیادی تعلق ثقافتی بشریات سے جوڑا جاتا ہے، لیکن موجودہ علمی تناظر میں اس کا رشتہ عمرانیات، نفسیات اور خالص ادبی مطالعات سے بھی بے حد مستحکم ہو چکا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوک ادب انسانی سماج کی ابتدائی ساخت اور اس کے ارتقائی عمل کو سمجھنے میں ایک کلیدی مددگار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ خاص طور پر ہندوستان جیسے قدیم تہذیبی پس منظر رکھنے والے ملک میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہاں کی انسانی تاریخ ہزاروں سال پر محیط ہے اور ملک کے طول و عرض میں مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ کسی بھی ملک کی تاریخ کو درست طریقے سے سمجھنے کے لیے اس خطے کے لوک ادب سے واقفیت لازمی قرار دی جاتی ہے، کیونکہ اسی کی بنیاد پر دیگر ادبی اصناف اور مضامین پر پڑنے والے اثرات کی نشاندہی ممکن ہوتی ہے۔

مغربی محققین کے مطابق ہر ملک کا قدیم ادب اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ سماج میں اس کی جڑیں پہلے سے موجود تھیں اور انہی سماجی محرکات اور داخلی و خارجی ماحول سے متاثر ہو کر تخلیق کاروں نے اسے اپنا موضوع بنایا۔ ادب کے بنیادی ماخذات پر تحقیق کرنے والے ماہرین کا یہ خیال ہے کہ شاعری کی مختلف اصناف کی ابتدا کا اصل سرچشمہ لوک ادب ہی ہے۔ اس حوالے سے این کے چیڈوک کی تصنیف "دی گروتھ آف لٹریچر"(The Growth of Literature) ایک اہم دستاویز ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح لوک ادب کی شاخیں ترقی کرتی ہوئی باقاعدہ ادب کی شکل میں نمودار ہوئیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ ادب اور لوک ادب ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور دونوں اپنی بقا اور ترقی کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ باقاعدہ ادب سے مراد وہ تخلیق ہے جو کسی مخصوص فرد کی کاوش ہو، جس کے ابواب طے شدہ ہوں اور جس پر مصنف کے نظریات کی چھاپ واضح ہو، جبکہ لوک ادب انسانی تہذیب و تمدن کی مجموعی عکاسی کرتا ہے اور اس کا کوئی ایک مصنف نہیں ہوتا۔ ادب عالیہ اور لوک ادب میں فرق کو پروفیسر ابن کنول یوں واضح کرتے ہیں:

> "جس طرح زندگی مختلف طبقوں میں بٹی ہوئی ہے، ادب کو بھی تقسیم کرنا ہوگا۔ ایک وہ ادب جو تحریری شکل میں ملتا ہے اور ایک خاص طبقے میں پڑھا جاتا ہے یعنی خواص کا ادب۔ جسے ادب عالیہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا ادب کا وہ حصہ ہے جو لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے اور جس کی کوئی تحریری

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

شکل نہیں۔ یہ ادب عوام کے دلوں میں پروان چڑھتا ہے، عام اور بڑا طبقہ اس سے محفوظ ہوتا ہے، اسے عوامی یالوک ادب کہتے ہیں۔"(۵)

یورپ میں لوک ادب کی باقاعدہ شروعات اٹھارہویں صدی کے وسط سے مانی جاتی ہے، اس سے قبل لوک روایات کو غیر مہذب اور جاہل لوگوں کا بے وقعت سرمایہ سمجھا جاتا تھا۔ جب مغربی ممالک میں سائنسی ایجادات ہوئیں اور بحری سفر کے ذریعے لوگوں نے دوسری تہذیبوں کا مشاہدہ کیا، تو ان کے خیالات میں وسعت پیدا ہوئی اور انہوں نے ان لوگوں کی تاریخ میں دلچسپی لینی شروع کی جو اب تک گمنامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں یورپی ممالک کے ادیبوں میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ اپنی نسل اور قوم کو دوسروں سے برتر ثابت کریں، جس کے لیے انہوں نے اپنے قدیم رسم و رواج اور عقائد کو جمع کرنا شروع کیا۔ انگلستان میں بشپ پرسی نے ۱۷۶۵ میں قدیم انگریزی شاعری کے قصوں کو جمع کر کے شائع کیا، جس سے پورے یورپ میں اس رجحان کو تقویت ملی۔ منظم طریقے سے لوک کہانیوں کو جمع کرنے کا کام جرمنی کے گریم برادران(Grimm Brothers) نے کیا، جنہوں نے لوک گیتوں اور کہانیوں کا تجزیہ کیا اور ان کے پھیلاؤ کے حوالے سے اہم اصول مرتب کیے۔ گریم برادران کے کام نے ثابت کیا کہ تمام یورپی زبانوں کے قصوں کا ماخذ کہیں نہ کہیں ایک ہی ہے اور یہ قصے سرحدوں کو پار کر کے دور دراز علاقوں تک پہنچتے ہیں۔ محمد ارشد لکھتے ہیں:

"ماضی میں اس عظیم لوک سرمائے کو ناشائستہ اور غیر مہذب لوگوں کا ادب کہہ کر نظر انداز کیا جاتا رہا۔ یا یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ ادب ہی کب مانا گیا۔ لیکن جب صنعتی دور کا آغاز ہوا اور یہ تہذیبی ورثہ تیزی سے فنا ہونے لگا تو انسان چونک اٹھا۔ جرمنی، انگلینڈ اور دیگر یورپ کے ملکوں نے ماضی کے اس سرمائے کو جمع کرنے اور اسکے بارے میں تحقیق و تجزیے کی طرف شعوری کوششوں کا آغاز ہوا۔"(۶)

مغرب میں لوک ادب کے مطالعے کے لیے کئی دبستان قائم ہوئے جنہوں نے اس علم کو مختلف زاویوں سے پرکھا۔ ان میں آثار قدیمہ کا دبستان انتہائی اہم ہے جس سے ایڈورڈ ٹیلر اور جیمز فریزر جیسے نام جڑے ہوئے ہیں۔ ان محققین نے لوک ادب کی دستاویزات کا تنقیدی مطالعہ کیا اور اسے انسانی ترقی کے منازل سمجھنے کا ذریعہ قرار دیا۔ جیمز فریزر کا یہ عقیدہ تھا کہ دنیا کی تمام نسلیں ایک جیسے مراحل سے گزرتی ہیں، اس لیے ان کے رسم و رواج اور کہانیوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان کی بارہ جلدوں پر مشتمل کتاب "دی گولڈن باؤ" (The Golden Bough) لوک ادب کے طالب علموں کے لیے ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح مذہبی دبستان کے محققین، جن میں میکس مولر سرفہرست ہیں، نے یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی پیدائش اور مذہبی قصوں کے ارتقا پر بحث کی۔ میکس مولر نے یہ نظریہ پیش کیا کہ لسانی تبدیلیوں کی وجہ سے قدیم مذہبی داستانوں نے نئی شکلیں اختیار کیں۔ ڈاکٹر طاہرہ پروین اس حوالے سے لکھتی ہیں کہ:

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

"لوک ادب مختلف علوم کے لیے خام مواد فراہم کرتا ہے۔ سماجیاتی، نفسیاتی۔ لسانیات، تاریخ اور فلسفہ خاص طور پر اسی لوک ادب کے محتاج ہیں۔"(۷)

نفسیاتی دبستان کے تحت ولیم وونٹ، سگمنڈ فرائڈ اور کارل ژنگ نے لوک ادب کی تخلیق کے پیچھے انسانی لاشعور کے کردار کو واضح کیا۔ ژنگ نے لوک ادب کے کرداروں کا تقابلی مطالعہ کیا اور ثابت کیا کہ یہ کہانیاں انسانی ذہن کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے اجتماعی لاشعور کا اظہار ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر خالد سہیل لکھتے ہیں کہ:

" ینگ کا خیال تھا کہ انسان انفرادی لاشعور کے ساتھ ساتھ اجتماعی لاشعور COLLECTIVE UNCONSCIOUS بھی رکھتے ہیں۔ یہ وہ لاشعور ہے جس کا سراغ کسی قوم کے ادب 'فنون لطیفہ' موسیقی اور لوک کہانیوں میں ملتا ہے۔ بعض لوگوں کو خوابوں میں ایسی چیزیں یا واقعات دکھائی دیتے ہیں جن کا ان کی ذاتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ ان کا تعلق اجتماعی لاشعور اور اساطیری کہاوتوں سے ہوتا ہے۔"(۸)

دوسری جانب سماجی دبستان نے، جس میں روسی اور جرمن ادیب شامل تھے، جنھوں نے لوک ادب کی معاشرتی وضاحت پر زور دیا۔ اس مکتبہ فکر کے مطابق لوک ادب ماضی کی آواز ہونے کے ساتھ ساتھ حال کی بھی ایک توانا آواز ہے۔ تاریخی دبستان کے محققین نے لوک ادب کے پھیلاؤ اور اس کے اصل مراکز کی تلاش کو اپنا موضوع بنایا۔ تھیوڈور بینفی نے پنچ تنتر کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان ہی تمام لوک کہانیوں کا اصل مرکز رہا ہے۔ عبد اللہ امتیاز احمد تھیوڈور بینفی کے متعلق لکھتے ہیں:

" Historical School کے تحت تاریخی نقطہ نظر سے لوک ادب کے تحفظ کے سلسلے میں ان ادیبوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے جو ادب اور لوک ادب کے نظریے سے اس کا تجزیہ کرنے کا رجحان رکھتے ہیں ۔اس نظریے کی شروعات جرمن ادیب تھیوڈور بینفی (Theodore Benfi)(۱۸۰۹-۱۸۸۱) سے مانا جاتا ہے، جنھوں نے پنچ تنتر کے مطالعہ کے ذریعے بھارتی لوک کہانیوں کو ذہن میں رکھ کر یوروپی لوک کہانیوں کا تجزیہ کیا ہے اور (۱۸۵۹) ہندوستان کو سبھی لوک کہانیوں کا مرکز ثابت کرنے کی کوشش کی۔"(۹)

لوک گیتوں کی تخلیق کے حوالے سے مغربی محققین کے درمیان متعدد نظریات پائے جاتے ہیں۔ پہلا نظریہ جیکب گریم کا ہے جسے "کمیونلزم"(Communalism) کہا جاتا ہے۔ گریم کا ماننا تھا کہ لوک گیت کسی ایک فرد کی کوشش نہیں بلکہ پورے معاشرے کی

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اجتماعی تخلیق ہے جو خود بخود وجود میں آتی ہے۔ جیکب گریم اور ان کے بھائی ولیم نے ہی سب سے پہلے عوامی ادب یا لوک ادب کو محفوظ کیا اور لوک کہانیوں کے اصل کا پتہ لگانے کی بھی کوشش کی۔ معزہ ابراہیم قاضی لکھتے ہیں کہ:

"جرمنی کے دو بھائیوں ولیم اور جیکب گریم نے زبان زد ادب کو جمع کرنے کا آغاز کیا۔ انھوں نے مغربی جرمنی کی زروعت پیشہ عورتوں کی لوک کہانیوں کو ۱۸۰۷ء سے ۱۸۱۴ء تک جمع کیا جو بعد میں Grimm’s Fairy Tales کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان عوامی قصوں کی پہلی جلد ۱۸۲۱ء میں Kinder-und House Marchant (بچوں اور گھریلو عورتوں کی کہانیوں) کے عنوان سے شائع ہوئی۔ ان کی یہ کوشش عوامی ادب کو محفوظ کرنے کی طرف پہلا قدم تھا۔"(۱۰)

اس کے برعکس شلیگل نے "انڈیویجولزم" (Individualism) کا نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق ہر گیت کا کوئی نہ کوئی تخلیق کار ضرور ہوتا ہے اور یہ کسی فرد کی انفرادی صلاحیتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے نظریات کی مختلف مثالوں سے وضاحت بھی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک عمارت کی تعمیر میں بہت سارے لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے جو مل کر اس عمارت کی تعمیر کرتے ہیں لیکن اس کا نقشہ بنانے والا ایک انسان ہوتا ہے۔ اسی طرح لوک ادب یا عوامی ادب کو کئی لوگ مل کر گاتے ہیں لیکن اس کو تخلیق کرنے والا ایک ہی شخص ہے۔

اسٹینتھل نے "ریسزم" (Racism) کا نظریہ دیتے ہوئے کہا کہ ایک مخصوص نسل یا ذات کے افراد مل کر اپنی مشترکہ جبلتوں کے تحت گیت بناتے ہیں۔ ان کا خیال کے کہ دنیا کے کئی ملکوں میں کچھ غیر مہذب ذاتیں موجود ہوتی ہیں یہ ایک خاندان کی طرح ہوتے ہیں جو کسی تہوار یا خوشی کے موقع پر ایک جگہ جمع ہو کر اپنی تفریح کے لیے گیت گاتے اور تخلیق کرتے ہیں۔ اس وقت اس گیت کی تخلیق میں پوری ذات شامل ہوتی ہے۔ انگلستاب کے ایک اور مشہور ادیب بشپ پرسی نے بھاٹوں کو ان گیتوں کا خالق قرار دیا، ان کا کہنا ہے کہ بھاٹ لوک قدیم زمانے میں انگلستان میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے اور اپنا گزر بسر بھیک مانگ کر کرتے تھے۔ اس موقع پر وہ کچھ نہ کچھ گاتے بھی تھے ان گیتوں کو بشپ پرسی "Minstrel Ballads" کہتے ہیں۔ پروفیسر چائلڈ کا نظریہ یہ تھا کہ اگرچہ گیت کسی فرد نے بنائے ہوں گے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ عوامی ملکیت بن کر گمنام ہو گئے۔ عبداللہ امتیاز احمد ان کے نظریے کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

"لوک گیتوں کے متعلق پروفیسر چائلڈ کا نظریہ ہے کہ جس طرح کسی شعر کی تخلیق کوئی شاعر کرتا ہے اسی طرح لوک گیتوں کی تخلیق ضرور کسی خاص شخص نے کی ہو گی مگر اس گیت کو اس کی شخصیت سے جوڑ کر دیکھنا مناسب نہیں ہے کیوں کہ کسی خاص شخص کی تخلیق ہونے کے باوجود

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اسے مختلف قسم کے لوگ گاتے ہیں جس کی وجہ سے ان گیتوں میں تبدیلی ہونا ممکن ہے کیونکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ زبان کا بھی ارتقاء ہوتا رہتا ہے یہ ضرور ہے کہ ان گیتوں کے خیالات، معانی و مطالبوہی ہوں مگر الفاظ کی تبدیلی سے زبان بھی بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے اس گیت کو کسی خاص شخص کی تخلیق کہنا قطعی مناسب نہیں۔اب یہ عام لوگوں کا سرمایہ ہے۔"(۱۱)

یہ تمام نظریات لوک گیتوں کے ارتقائی سفر کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور ان کے نمونے آج بھی مختلف صورتوں میں دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو لوک ادب کسی بھی قوم کی تہذیبی، سماجی اور ثقافتی زندگی کا ایسا بیش قیمت سرمایہ ہے جو اس کے اجتماعی شعور، اقدار اور تاریخی تجربات کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ ادب تحریری روایت سے پہلے زبانی صورت میں وجود میں آیا اور نسل در نسل سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ لوک کہانیاں، لوک گیت، کہاوتیں، محاورے، پہیلیاں اور رسم و رواج اسی ورثے کا حصہ ہیں۔ چونکہ اس ادب کی تخلیق کسی ایک فرد کی بجائے عوام کے اجتماعی تجربات اور احساسات سے ہوتی ہے، اس لیے یہ عام لوگوں کی زندگی، ان کے دکھ سکھ، امیدوں، عقائد اور معاشرتی رویوں کی حقیقی عکاسی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوک ادب کو کسی بھی قوم کی ثقافتی شناخت اور تہذیبی تسلسل کا بنیادی ستون سمجھا جاتا ہے۔ لوک ادب اور زبان کا باہمی تعلق نہایت گہرا اور ناگزیر ہے، کیونکہ زبان ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے لوک روایات محفوظ رہتی اور آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتی ہیں۔ کسی قوم کی زبان میں موجود لوک داستانیں، ضرب الامثال اور لوک گیت اس قوم کی فکری، اخلاقی اور سماجی اقدار کی نمائندگی کرتے ہیں۔ زبان کے ارتقا کے ساتھ لوک ادب بھی نئی صورتیں اختیار کرتا رہتا ہے، مگر اس کی بنیادی روح برقرار رہتی ہے۔ اسی لیے دنیا بھر کے محققین لوک ادب کو صرف ادبی سرمایہ نہیں بلکہ تاریخ، بشریات، سماجیات، نفسیات اور لسانیات کے مطالعے کا ایک اہم ماخذ قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس کے ذریعے کسی بھی معاشرے کی اصل تہذیب، طرزِ زندگی اور فکری ارتقا کو بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

1.Asstt. Prof. Dr.Ku. Priyamvada Dinesh Bhat. International Journal for Multidisciplinary Research.2023

2. Melahet Babayeva, FOLKLORE TEXT AS AN OBJECT OF LINGISTIC REASERCH , Department of literature of Azerbaijan state pedagogical university,2023, page,۱۴۹

۳۔ طاہرہ پروین، ڈاکٹر، نظیر اکبر آبادی بحیثیت عوامی شاعر، الہ آباد: انجمن تہذیب نو پبلیکشنز، ۲۰۰۷ء، ص: ۴۰

4. Jacqueline Simpson & Steve Roud. A Dictionary of English Folklore.page:130

۵۔ ابن کنول، پروفیسر، لوک ادب اور اس کی روایت، اردو ریسرچ جنرل، اکتوبر / دسمبر ۲۰۱۹ء، ص:۷

۶۔ محمد ارشد، لوک ادب: ایک اجمالی جائزہ،

Urdu Scholars Ki Duniya –international Refrees journal of Urdu, Volume,8,

issue,February,2020, page,۱۰۱

۷۔ طاہرہ پروین، ڈاکٹر، نظیر اکبر آبادی بحیثیت عوامی شاعر، الہ آباد: انجمن تہذیب نو پبلیکشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۴۱

۸۔ خالد سہیل، ڈاکٹر، کارل ینگ اور اجتماعی لاشعور،

https://www.humsub.com.pk/357607/khalid-sohail-365/

۹۔ عبد اللہ امتیاز احمد، اردو لوک ادب میں خواتین کا حصہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۷ء، ص:۲۵

۱۰۔ معزہ ابراہیم قاضی، اردو میں منظوم عوامی ادب اور لوریاں، دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۲۰۰۷ء، ص:۱۷

۱۱۔ عبد اللہ امتیاز احمد، اردو لوک ادب میں خواتین کا حصہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۷ء، ص:۴۵